نئی راہ نئی پہچان



محمد یوسف

نادیہ: نئی راہ نئی پہچان

لاڑکانہ کی تنگ گلیوں میں ایک وسیع حویلی کھڑی تھی جو اپنے اندر برسوں پرانی روایات کو سموئے ہوئے تھی۔ یہ حویلی سید خاندان کی پہچان تھی، جہاں وقت جیسے ٹھہر گیا تھا۔ قدیم طرز کے لکڑی کے دروازے، دیواروں پر چونے کی سفیدی، اور دالان میں رکھی بڑی آرام کرسیاں اس گھر کی تاریخ کی گواہ تھیں۔ سید گھرانے میں لڑکیوں کی جلد شادی کو ہی ان کی قسمت سمجھا جاتا تھا، اور تعلیم محض ایک حد تک قبول تھی، جو شادی کی تیاری تک محدود رہتی۔

اس خاندان کے سربراہ سید بشیر احمد تھے، جو خاندان کے سب سے بڑے بزرگ ہونے کے ساتھ ساتھ، پورے محلے میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کا ماننا تھا کہ لڑکیوں کو زیادہ آزاد نہیں چھوڑنا چاہیے، کیونکہ ان کی عزت اور وقار خاندان کی روایات سے جڑی ہوتی ہے۔ ان کی بیوی، بیگم زبیدہ، ایک صابر اور روایتی خاتون تھیں، جو ہر معاملے میں اپنے شوہر کے فیصلوں کی تائید کرتی تھیں۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی انہی اصولوں کے مطابق گزاری تھی، اور اب چاہتی تھیں کہ ان کی بہوئیں اور بیٹیاں بھی یہی راہ اپنائیں۔

اس حویلی میں نادیہ کے والد سید امجد علیبھی رہتے تھے، جو پیشے کے لحاظ سے ایک سرکاری ملازم تھے۔ وہ ایک نرم دل انسان تھے لیکن والد کی سخت گیر شخصیت کے آگے وہ ہمیشہ خاموشی اختیار کر لیتے۔ ان کی بیوی فرخندہ بیگم بھی انہی روایات کی پروردہ تھیں، جو بیٹیوں کو ماں کی طرح حیا اور شرم کا پیکر دیکھنا چاہتی تھیں۔ وہ نادیہ کی بڑی بہن، صائمہ کی شادی صرف سترہ سال کی عمر میں کر چکی تھیں اور اب چاہتی تھیں کہ نادیہ بھی جلد از جلد اپنے "اصل گھر" سدھار جائے۔

نادیہ گھر کی سب سے چھوٹی اور سب سے الگ مزاج رکھنے والی لڑکی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خواب تھے جو اس خاندان کے دوسرے افراد کے خیالات سے میل نہیں کھاتے تھے۔ جہاں باقی بہنیں اور کزنز گھرداری اور شادی کی تیاریوں میں لگی رہتی تھیں، وہیں نادیہ اپنی کتابوں میں کھوئی رہتی۔ اس کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ وہ لاڑکانہ کی ایک مشہور کو ایجوکیشن یونیورسٹی میں داخلہ لے اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرے۔

"لڑکیوں کے اتنے اونچے خواب اچھے نہیں ہوتے، نادیہ!" اس کی ماں اکثر اسے ٹوکتے ہوئے کہتی۔ "یہ سب تو ٹھیک ہے، مگر آخر میں تمہیں چولہا چوکا ہی سنبھالنا ہے۔"

نادیہ کو یہ بات سمجھ نہیں آتی تھی کہ لڑکوں کو خواب دیکھنے کی اجازت تھی، مگر لڑکیوں کو نہیں؟ اس کا بڑا بھائی، سید نعمان، کراچی میں انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کر رہا تھا، اور سب کو اس پر فخر تھا۔ مگر جب نادیہ نے یونیورسٹی جانے کی خواہش ظاہر کی تو گھر میں ایک طوفان سا آ گیا تھا۔

دادا سید بشیر احمد نے سخت لہجے میں کہا، "کو ایجوکیشن؟ سید گھرانے کی بیٹی لڑکوں کے ساتھ پڑھے گی؟ یہ ہماری عزت کے خلاف ہے!"

ماں نے بھی حمایت میں سر ہلایا، "اور پڑھائی کا آخر میں کیا فائدہ؟ شادی ہو جائے گی تو کونسا دفتر جانا ہے؟ بہتر ہے کہ ابھی سے اچھی سی لڑکی بن جاؤ تاکہ سسرال میں عزت ملے۔"

نادیہ کے دل پر جیسے گھونسا لگا۔

اس گھر میں شادی ایک مقدس روایت تھی جس سے انحراف کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ نادیہ کی بڑی بہن صائمہ کی شادی جلدی ہوئی تھی اور اب وہ دو بچوں کی ماں تھی۔ اس کی کزن ماہین بھی صرف سولہ سال کی تھی جب اس کی شادی کر دی گئی تھی۔ اب وہ ایک روایتی بہو کی طرح روز کے کاموں میں الجھی رہتی تھی اور کبھی کبھار نادیہ سے اپنی محرومیوں کا اظہار کرتی تھی۔

"کاش میں بھی کچھ پڑھ لیتی، نادیہ!" ماہین ایک دن افسردہ لہجے میں بولی۔ "کم از کم اپنے بچوں کو خود سنبھالنے کے قابل تو ہوتی۔"

ماہین کی یہ باتیں نادیہ کے دل میں آگ کی طرح لگتی تھیں۔ مگر وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے اپنی ضد جاری رکھی، تو پورا خاندان اس کے خلاف ہو جائے گا۔

اس کے کزن وقار شاہ کو نادیہ کے لیے پسند کیا جا رہا تھا۔ وقار شاہ روایتی سوچ کا حامل تھا اور اسے یہ بالکل پسند نہیں تھا کہ لڑکیاں زیادہ تعلیم حاصل کریں۔ جب اسے معلوم ہوا کہ نادیہ یونیورسٹی جانا چاہتی ہے تو اس نے تلخ لہجے میں کہا، "تمہیں تو یونیورسٹی جانے کا بہت شوق ہے، مگر یاد رکھو کہ شادی کے بعد میں یہ سب برداشت نہیں کروں گا"!

نادیہ کو سخت ناگواری محسوس ہوئی۔

یہی وہ لمحہ تھا جب نادیہ نے خود سے ایک وعدہ کیا: "مجھے اپنی قسمت خود بنانی ہو گی۔ مجھے وہ سب حاصل کرنا ہے جو باقی لڑکیوں سے چھین لیا گیا ہے۔"

مگر کیا وہ یہ سب کر پائے گی؟ کیا یہ خاندان اسے خواب دیکھنے کی اجازت دے گا؟ یا پھر وہ بھی ماہین اور صائمہ کی طرح روایات کے سامنے ہار مان لے گی؟

اسی رات نادیہ نے اپنے والد کے پاس جا کر ایک آخری بار کوشش کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ جانتی تھی کہ امجد علی اپنی بیٹی سے بے حد محبت کرتے ہیں، لیکن وہ سید بشیر احمد کی سختی کے آگے کچھ بھی کہنے سے ڈرتے ہیں۔

نادیہ نے دھیرے سے کہا، "ابا، اگر میں اچھی تعلیم حاصل کر لوں تو کیا یہ ہمارے خاندان کی عزت کے خلاف ہو گا؟ "

سید امجد علی نے بیٹی کی آنکھوں میں دیکھ کر آہ بھری۔ "بیٹا، میں تمہیں پڑھتے دیکھنا چاہتا ہوں، مگر تم جانتی ہو، یہ گھر کس کے اصولوں پر چلتا ہے۔ "

نادیہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "ابا، کیا میری قسمت بھی وہی ہو گی جو صائمہ اور ماہین کی ہوئی؟ "

سید امجد علی نے گہری سانس لی۔ پہلی بار وہ دوراہے پر کھڑے تھے—ایک طرف بیٹی کا خواب تھا اور دوسری طرف خاندان کی روایات۔

لاڑکانہ کی تپتی دوپہر میں نادیہ صحن میں بیٹھی اپنی کتاب میں کھوئی ہوئی تھی۔ دھوپ کی شدت کے باوجود وہ اپنے مستقبل کے خوابوں میں مگن تھی۔ کتاب کے صفحے پلٹتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی کہ ایک دن وہ بھی یونیورسٹی کی راہداریوں میں کھڑی ہوگی، علم کے میدان میں آگے بڑھے گی، اور اپنے خوابوں کو حقیقت میں بدل سکے گی۔

لیکن یہ سب اتنا آسان نہیں تھا۔ سید خاندان کی روایات میں لڑکیوں کے زیادہ پڑھنے کو زیادہ پسند نہیں کیا جاتا تھا۔ ان کا ماننا تھا کہ عورت کا اصل مقام اس کا گھر ہوتا ہے، اور اس سے بڑھ کر کچھ بھی سوچنا بے فائدہ ہے۔

نادیہ انہی سوچوں میں گم تھی کہ اچانک صحن میں اس کی ماں اور خالہ کی سرگوشیاں سنائی دیں۔ اس نے غور سے سننے کی کوشش کی۔

"بہن! وقار شاہ نے نادیہ کے لیے ہامی بھر لی ہے۔" خالہ کی آواز میں خوشی نمایاں تھی۔

"الحمدللہ! خاندان میں ہی رہے گی ہماری بیٹی۔" نادیہ کی ماں کے لہجے میں اطمینان تھا۔

نادیہ کے ہاتھوں سے کتاب گر گئی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے خواب کسی تیز ہوا میں اڑ گئے ہوں۔ وہ جانتی تھی کہ وقار شاہ اس کا کزن ہونے کے باوجود اس کی سوچ سے بہت مختلف تھا۔ وہ روایتی خیالات کا حامل تھا اور چاہتا تھا کہ اس کی بیوی گھر میں رہے، پردے میں رہے، اور خاندان کے اصولوں کے مطابق زندگی گزارے۔

اسی لمحے اندر سے اس کی چھوٹی بہن نے آواز دی، "آپ کو امی بلا رہی ہیں۔"

نادیہ نے گہرا سانس لیا اور کمرے میں داخل ہوئی۔ ماں کی آنکھوں میں خوشی تھی۔ "بیٹی، تمہارے لیے ایک خوشخبری ہے۔ وقار شاہ نے تمہارے رشتے کے لیے ہاں کر دی ہے۔ یہ تو تمہارے نصیب کی بات ہے کہ ایسا اچھا رشتہ ملا۔"

نادیہ کا دل چاہا کہ وہ چلّائے، احتجاج کرے، لیکن وہ جانتی تھی کہ اس کے الفاظ کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ اس نے دھیرے سے کہا، "امی، میں ابھی شادی کے بارے میں نہیں سوچ رہی۔ میں پڑھنا چاہتی ہوں، یونیورسٹی جانا چاہتی ہوں۔"

ماں کا چہرہ یک دم سخت ہو گیا۔ "یہ سب خواب دیکھنا چھوڑ دو، نادیہ! ہمارے خاندان کی لڑکیاں زیادہ نہیں پڑھتیں۔ تمہیں وقار کے ساتھ خوش رہنا ہوگا۔"

نادیہ خاموش رہی، لیکن اس کے دل میں بے شمار سوالات پیدا ہو رہے تھے۔ کیا عورت کا مقدر صرف شادی اور گھر تک محدود ہے؟ کیا وہ اپنی زندگی کے فیصلے خود نہیں کر سکتی؟

اگلے دن نادیہ اپنی سب سے قریبی دوست ماہین کے گھر گئی۔ ماہین کی شادی چند مہینے پہلے ہی ہوئی تھی، اور نادیہ جانتی تھی کہ وہ اس شادی سے خوش نہیں تھی۔

ماہین نے دروازہ کھولا تو اس کا چہرہ بجھا ہوا تھا۔ وہ اندر آئی اور خاموشی سے بیٹھ گئی۔ نادیہ نے آہستہ سے پوچھا، "ماہین، تم ٹھیک ہو؟"

ماہین نے آنکھیں جھکا لیں۔ "نادیہ، میں تمہیں کیا بتاؤں؟ میری زندگی تو جیسے رک گئی ہے۔ شادی کے بعد کچھ بھی ویسا نہیں رہا جیسا میں نے سوچا تھا۔ شوہر کا رویہ سخت ہے، وہ مجھے کسی سے ملنے نہیں دیتا، اور سسرال والے ہمیشہ شکایتیں کرتے رہتے ہیں۔ میری اپنی کوئی مرضی نہیں رہی۔"

نادیہ نے دکھ کے ساتھ ماہین کو دیکھا۔ "تمہیں تو پڑھنے کا بھی بہت شوق تھا، نا؟"

ماہین کے چہرے پر ایک تلخ مسکراہٹ آئی۔ "ہاں، مگر اب وہ سب خواب تھے۔ نادیہ، میں تم سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔ اگر تمہیں کوئی موقع ملے تو اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنا۔ اگر تمہیں پڑھنے کا موقع مل سکتا ہے، تو پلیز ہمت مت ہارنا۔ مجھ سے مت بنو۔"

یہ الفاظ نادیہ کے دل میں تیر کی طرح لگے۔ وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے بھی خاموشی اختیار کی، تو اس کی زندگی کا بھی یہی انجام ہو گا۔

اگلے دن نادیہ اپنے والد کے ساتھ بازار گئی تو اس کی نظر احمد علی پر پڑی۔ احمد علی ایک کو ایجوکیشن یونیورسٹی میں لیکچرار تھا اور ہمیشہ تعلیم کے حق میں بات کرتا تھا۔

نادیہ کو موقع ملا، تو اس نے آہستہ سے احمد سے پوچھا، "سر، کیا واقعی ایک لڑکی کو اپنے خوابوں کی قربانی دینی پڑتی ہے؟"

احمد علی نے حیرانی سے نادیہ کو دیکھا، پھر سنجیدگی سے کہا، "نادیہ، خواب وہ ہوتے ہیں جنہیں حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کی جائے۔ اگر تم واقعی پڑھنا چاہتی ہو، تو تمہیں مضبوط رہنا ہوگا۔ لوگ تمہیں روکنے کی کوشش کریں گے، مگر تمہیں ثابت کرنا ہوگا کہ تم بھی اپنی قسمت خود بنا سکتی ہو۔"

نادیہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ اسے احساس ہوا کہ اگر وہ واقعی اپنی زندگی کو بدلے گی، تو اسے خود کھڑا ہونا ہوگا۔ وہ ہمت نہیں ہارے گی۔ اسے اپنے خوابوں کے لیے لڑنا ہوگا۔

نادیہ کے لیے یہ دن بہت مشکل تھے۔ اس نے ہمیشہ خواب دیکھا تھا کہ وہ یونیورسٹی میں پڑھے گی، اپنے لیے ایک الگ شناخت بنائے گی، اور اپنی صلاحیتوں کو دنیا کے سامنے لائے گی۔ مگر جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، اس پر خاندان کی طرف سے دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کی ماں، رقیہ بیگم، اور دادا جان نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اب نادیہ کی شادی کا وقت آ گیا ہے۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد، نادیہ نے ہمت جمع کی اور اپنے والد، ماں اور دادا کے سامنے یونیورسٹی میں داخلے کی اجازت مانگنے کا فیصلہ کیا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ آسان نہیں ہوگا، مگر اسے اپنی بات کرنی تھی۔ جیسے ہی سب کھانے کی میز پر بیٹھے، نادیہ نے آہستہ سے بات کا آغاز کیا:

"ابا، میں نے سوچا ہے کہ اس سال یونیورسٹی میں داخلہ لے لوں۔ میری تمام دوستیں بھی پڑھنے جا رہی ہیں۔ میں بھی اپنی تعلیم جاری رکھنا چاہتی ہوں۔"

یہ سن کر کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ دادا جان نے ناپسندیدگی سے اس کی طرف دیکھا اور چہرے پر ناگواری کے آثار نمایاں ہو گئے۔ رقیہ بیگم نے فوراً ہاتھ میں پکڑی چمچ پلیٹ میں رکھتے ہوئے کہا:

"نادیہ، یہ کیا بات کر رہی ہو؟ تمہیں معلوم ہے کہ ہماری فیملی میں لڑکیاں اتنی بڑی تعلیم نہیں حاصل کرتیں۔ تمہیں گھر بسانا ہے، کوئی نوکری تو کرنی نہیں۔ پھر یہ سب فضول باتیں کیوں کر رہی ہو؟"

والد، جنید صاحب، جو خاموشی سے کھانے میں مصروف تھے، نے ہلکی آواز میں کہا:

"رقیہ، لڑکی کی بات تو سنو۔ تعلیم بری چیز تو نہیں ہے۔"

مگر دادا جان نے سخت لہجے میں بات کاٹ دی، "یہ سب نئی دنیا کے چونچلے ہیں۔ سید خاندان کی لڑکیوں کے لیے بہتر یہی ہوتا ہے کہ وہ جلدی اپنے گھر کی ہو جائیں۔ ہم نے تمہاری ماں کی بھی جلدی شادی کی تھی، اور دیکھو کتنا اچھا گزر رہا ہے۔"

نادیہ نے اپنے آنسو ضبط کیے اور بولی، "دادا جان، میں چاہتی ہوں کہ میں اپنی پہچان خود بناؤں۔ میں پڑھ لکھ کر کچھ بننا چاہتی ہوں۔ شادی بھی اپنی جگہ ہے، مگر ابھی نہیں۔ مجھے یونیورسٹی جانے دیں۔"

رقیہ بیگم نے افسردہ آواز میں کہا، "بیٹا، تمہیں ہماری عزت کا کچھ خیال نہیں؟ اگر تم یونیورسٹی جاؤ گی تو لوگ باتیں کریں گے۔ خاندان میں کون سا گھر ایسا ہے جہاں لڑکیاں کو ایجوکیشن یونیورسٹی میں پڑھتی ہوں؟ کیا تم چاہتی ہو کہ تمہارے بھائیوں کے لیے رشتے آنا بند ہو جائیں؟ لوگ تمہیں غلط نظر سے دیکھیں؟"

نادیہ کو یہ سب سن کر بے حد دکھ ہوا۔ "اماں، تعلیم حاصل کرنا عزت کم کرنا نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ ہماری عزت بڑھائے گا۔ ہم بھی دوسروں کی طرح ترقی کر سکتے ہیں۔"

مگر رقیہ بیگم نے رونا شروع کر دیا۔ "تمہیں ہماری محبت کی کوئی قدر نہیں! اگر تم ضد کرو گی تو میرے دل کو بہت صدمہ پہنچے گا۔ میں بیمار ہو جاؤں گی، تمہیں خوش دیکھنے کی امید چھوڑ دوں گی۔"

یہ دیکھ کر نادیہ کا دل ٹوٹ گیا، مگر اس نے اپنے ارادے کو کمزور نہ ہونے دیا۔

اسی دوران، وقار شاہ کی والدہ کا فون آیا۔ انہوں نے تجویز دی کہ نادیہ کی شادی ان کے بیٹے سے کر دی جائے تاکہ وہ خاندان کی عزت قائم رکھ سکیں۔ دادا جان اور رقیہ بیگم کو یہ خیال بہت پسند آیا۔

اگلے دن نادیہ کے سامنے وقار شاہ کے رشتے کی بات رکھی گئی۔ "وقار سید لڑکا ہے، اچھا کاروبار ہے، خاندان میں عزت دار ہے۔ اس سے بہتر رشتہ ہمیں نہیں مل سکتا،" دادا جان نے کہا۔

نادیہ نے صدمے سے کہا، "میں شادی نہیں کرنا چاہتی، اور خاص طور پر وقار شاہ سے تو بالکل بھی نہیں۔"

یہ سن کر گھر میں کہرام مچ گیا۔ رقیہ بیگم نے فوراً رو کر کہا، "تم کیا چاہتی ہو؟ کیا ہم مر جائیں؟ کیا خاندان میں ہماری ناک کٹ جائے؟"

دادا جان نے غصے میں کہا، "اگر تم ہماری عزت کا خیال نہیں کر سکتیں، تو تمہیں ہمارے گھر میں رہنے کا کوئی حق نہیں۔ تمہیں فیصلہ کرنا ہو گا: یا تو یونیورسٹی چھوڑ دو، یا یہ گھر۔"

نادیہ کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور مضبوطی سے کہا:

"میں نہ وقار سے شادی کروں گی اور نہ ہی اپنے خوابوں کو چھوڑوں گی۔ اگر آپ سب میرے ساتھ نہیں ہیں، تو میں اکیلے ہی اپنی راہ تلاش کر لوں گی۔"

یہ سن کر پورا گھر سکتے میں آ گیا۔ نادیہ نے پہلی بار کھل کر بغاوت کی تھی۔ دادا جان نے غصے سے دروازہ بند کر دیا، اور ماں بے ہوش ہو گئی۔ مگر نادیہ جانتی تھی کہ یہ سب وقتی ردِ عمل تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اگر آج اس نے ہار مانی، تو وہ ہمیشہ کے لیے اپنی شناخت کھو دے گی۔

رات دیر تک وہ اپنے کمرے میں بیٹھی سوچتی رہی۔ کیا اسے واقعی اپنی خواہش کے لیے گھر چھوڑنا پڑے گا؟ کیا تعلیم کا خواب دیکھنا واقعی اتنا بڑا جرم تھا؟

اسی لمحے اس کی دوست سارہ کا فون آیا۔ سارہ نے کہا، "نادیہ، ہمت مت ہارو۔ اگر تم چاہو تو میرے ماموں کے توسط سے اسکالرشپ کے لیے درخواست دے سکتی ہو۔ شاید اس طرح تمہارے گھر والوں کو منانا آسان ہو جائے۔"

یہ ایک نئی امید کی کرن تھی۔ نادیہ نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے والد کو ایک آخری بار قائل کرے گی۔ اگلی صبح وہ جنید صاحب کے کمرے میں گئی اور دھیرے سے کہا، "ابا، ایک بار میرا ساتھ دیجیے۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کو کبھی شرمندہ نہیں ہونے دوں گی۔"

جنید صاحب نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر آہستہ سے کہا، "دیکھتے ہیں، شاید کوئی راستہ نکل آئے۔"

یہ سن کر نادیہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، مگر اس بار یہ آنسو بے بسی کے نہیں، امید کے تھے۔

نادیہ نے جب یونیورسٹی میں داخلے کا فیصلہ کیا تھا، تب اسے اندازہ نہیں تھا کہ یہ راستہ اتنا کٹھن ہو گا۔ خاندان کی روایات اور قدامت پسندی کا دباؤ ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا۔ ماں روز ہی اس سے کہتی کہ لڑکیوں کے لیے پڑھائی سے زیادہ شادی اہم ہے۔ دادا ابو کی پیشانی پر بھی جب سے اس کی تعلیم کا ذکر آیا تھا، ہمیشہ بل پڑے رہتے۔

مگر نادیہ کے حوصلے بلند تھے۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی منزل تعلیم ہے، اور وہ ہر حال میں اپنے خواب کو حقیقت میں بدلے گی۔

اس دن یونیورسٹی کی اسکالرشپ لسٹ کا اعلان ہونے والا تھا۔ نادیہ نے درخواست دی تھی، مگر دل میں کئی خدشے تھے۔ کیا خاندان اسے واقعی یونیورسٹی جانے دے گا؟ کیا وہ اپنی محنت کو کامیابی میں بدل پائے گی؟ انہی خیالات میں گم وہ لائبریری میں بیٹھی تھی جب احمد علی نے آکر اس کے سامنے ایک کاغذ رکھا۔

"مبارک ہو نادیہ! تمہارا نام اسکالرشپ لسٹ میں شامل ہے۔"

نادیہ نے حیرانی اور خوشی سے کاغذ پر نظریں دوڑائیں۔ واقعی، اس کا نام فہرست میں تھا! وہ بے یقینی سے بولی، "یہ واقعی سچ ہے؟"

احمد علی نے مسکرا کر کہا، "ہاں، اور اس کا مطلب ہے کہ تمہیں اپنی تعلیم کا کوئی مالی مسئلہ درپیش نہیں ہو گا۔ بس اب تمہیں اپنے والدین کو قائل کرنا ہو گا۔"

نادیہ کی مسکراہٹ مدھم ہو گئی۔ "یہی تو سب سے بڑا مسئلہ ہے، احمد بھائی۔ امی اور دادا ابو کبھی بھی مجھے یونیورسٹی جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ ان کے نزدیک لڑکی کی عزت بس گھر کے چار دیواری میں ہے۔"

احمد علی نے سنجیدگی سے کہا، "نادیہ، دنیا میں ہر بڑی تبدیلی مشکل فیصلوں اور قربانیوں کے بعد آتی ہے۔ تمہیں خود کو ثابت کرنا ہو گا۔"

نادیہ نے سر ہلایا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ آسان نہیں ہو گا، مگر اس کا ارادہ اٹل تھا۔

گھر پہنچتے ہی نادیہ نے امی سے بات کرنے کی کوشش کی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر کسی نے اس کے حق میں آواز بلند کرنی ہے، تو وہ اس کے والد ہو سکتے ہیں، مگر امی کو ساتھ ملائے بغیر یہ ممکن نہیں تھا۔

"امی، میری اسکالرشپ آگئی ہے،" اس نے دھیرے سے کہا۔

ماں نے پہلے تو خاموشی اختیار کی، پھر بولیں، "نادیہ، میں نے تمہیں پہلے بھی سمجھایا تھا، پڑھائی کو بھول جاؤ۔ خاندان میں کوئی بھی یہ برداشت نہیں کرے گا کہ ہماری لڑکی کو ایجوکیشن یونیورسٹی میں بھیجا جائے۔"

"مگر امی، اسکالرشپ کا مطلب ہے کہ میرے تعلیمی اخراجات بھی نہیں آئیں گے، اور ' ' —

امی نے سختی سے بات کاٹ دی، "یہ بات تمہارے دادا اور وقار بھائی کو کیسے سمجھاؤ گی؟ وہ لوگ پہلے ہی تمہاری تعلیم کے خلاف ہیں، اور وقار نے تو صاف کہہ دیا ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ تم بس گھر میں رہو اور شادی کی تیاری کرو۔"

وقار شاہ، نادیہ کا چچازاد کزن، روایتی خیالات کا حامل تھا۔ اسے پسند نہیں تھا کہ نادیہ یا خاندان کی کوئی اور لڑکی یونیورسٹی جائے۔ اس کے نزدیک، ایک شریف سید لڑکی کے لیے سب سے بڑی کامیابی جلد شادی اور گھریلو زندگی تھی۔ جب اسے نادیہ کے یونیورسٹی جانے کی خبر ملی، تو وہ فوراً دادا ابو کے پاس جا پہنچا۔

"دادا ابو، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہماری عزت خاک میں ملے اور آپ خاموش رہیں؟ نادیہ یونیورسٹی جانا چاہتی ہے! وہ بھی کو ایجوکیشن میں!" وقار نے غصے سے کہا۔

دادا ابو کی نظریں غصے سے سرخ ہو گئیں۔ "یہ کیسے ممکن ہے؟ ہمارے خاندان میں کبھی ایسا نہیں ہوا۔ میں کل ہی اس کے والد سے بات کرتا ہوں۔"

اگلی شام، وقار شاہ نادیہ کے پاس آیا۔ اس کے چہرے پر سختی تھی مگر لہجے میں احترام تھا۔

"نادیہ، مجھے تم سے بات کرنی ہے،" اس نے کہا۔

نادیہ نے سر اٹھایا اور وقار کی طرف دیکھا۔ "جی، وقار بھائی، کہیے۔"

"تم جانتی ہو کہ میں تمہاری تعلیم کے خلاف نہیں ہوں، لیکن خاندان کی روایات کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے۔ ہم ایک قدیم سید خاندان سے ہیں، جہاں لڑکیوں کا باہر نکلنا اچھا نہیں سمجھا جاتا۔"

نادیہ نے نرمی سے جواب دیا، "وقار بھائی، میں آپ کی بات سمجھتی ہوں۔ میں بھی اپنے خاندان کی عزت کو اہمیت دیتی ہوں، لیکن کیا عزت صرف گھر کے اندر رہنے سے حاصل ہوتی ہے؟ کیا علم حاصل کرنا ہماری عزت میں اضافہ نہیں کرے گا؟"

وقار نے سنجیدگی سے سر ہلایا۔ "یہ بات ٹھیک ہے، مگر خاندان کے باقی افراد اسے نہیں سمجھیں گے۔ اگر تم باہر نکلو گی، تو لوگ باتیں کریں گے، اور ہمارے بزرگوں کو شرمندگی ہوگی۔"

نادیہ نے مسکرا کر کہا، "اگر لوگ باتیں کرتے ہیں، تو کیا ہم ان کی باتوں کی وجہ سے اپنی ترقی روک دیں؟ میں پڑھ لکھ کر نہ صرف اپنے لیے بلکہ خاندان کے لیے بھی کچھ اچھا کر سکتی ہوں۔"

وقار کچھ دیر خاموش رہا، پھر آہستہ سے بولا، "تمہیں اپنی راہ پر چلنے کا حق ہے، لیکن یہ مت بھولو کہ تمہیں ہر قدم پر ثابت کرنا ہوگا کہ تم اپنے خاندان کی عزت میں کمی نہیں لا رہی، بلکہ اسے بڑھا رہی ہو۔"

نادیہ نے سر جھکا کر کہا، "یہی میں کرنا چاہتی ہوں، وقار بھائی۔ امید ہے کہ آپ بھی ایک دن مجھے سپورٹ کریں گے۔"

رات کو جب نادیہ کے والد کمرے میں آئے، تو وہ چپ چاپ کتاب کھولے بیٹھی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اب ابو بھی اس سے سخت لہجے میں بات کریں گے، مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ ابو کی آواز میں غصہ نہیں تھا، بلکہ ایک نرم مگر گہرا تاثر تھا۔

"بیٹا، تم واقعی یونیورسٹی جانا چاہتی ہو؟" انہوں نے آہستہ سے پوچھا۔

نادیہ نے چونک کر سر اٹھایا۔ یہ پہلا موقع تھا جب ابو نے اس سے سیدھے انداز میں یہ سوال کیا تھا۔

"جی ابو، میرا خواب ہے کہ میں تعلیم حاصل کروں اور کچھ بنوں۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ مجھے ایک موقع دیا جائے۔"

والد نے سکون سے کہا، "عزت صرف چار دیواری میں قید رہنے کا نام نہیں۔ عزت یہ بھی ہے کہ ہم اپنی بیٹی کو اس کا حق دیں۔"

یہ جملہ سنتے ہی وقار اور باقی خاندان والوں کے چہروں پر حیرانی کے آثار نظر آئے۔ نادیہ نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ پہلا قدم تھا، مگر سب سے اہم بھی۔

لاڑکانہ کی گرم دوپہر میں، نادیہ اپنے کمرے میں بیٹھی سوچوں میں گم تھی۔ باہر سے خاندان کے بزرگوں کے بلند آواز میں بات کرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ معاملہ وہی تھا: نادیہ کی شادی۔

نادیہ کی ماں، سمیرا بیگم، اندر آئیں، ان کا چہرہ فکر مند تھا۔ "بیٹا، تمہارے ابا سب کے سامنے تمہاری بات کرنے والے ہیں۔ تم جانتی ہو نا کہ یہ آسان نہیں ہو گا؟"

نادیہ نے سر ہلایا، "امی، میں جانتی ہوں۔ لیکن میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ میں اپنی تعلیم جاری رکھوں گی۔"

اسی لمحے باہر سے وقار شاہ کی آواز گونجی، "یہ خاندان کی روایت ہے! ہم اپنی لڑکیوں کو یوں آزاد نہیں چھوڑ سکتے۔ سیدوں کی بیٹی یوں یونیورسٹی میں جا کر غیر مردوں کے ساتھ نہیں بیٹھتی۔"

نادیہ کے والد، نثار احمد، جو ہمیشہ خاموش رہتے تھے، آج پہلی بار بولے، "وقار، تمہاری بات اپنی جگہ، لیکن میں اپنی بیٹی کو اس کے حق سے محروم نہیں کر سکتا۔ وہ پڑھنا چاہتی ہے، اور میں اس کی حمایت کروں گا۔"

یہ جملہ سنتے ہی کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ خاندان کے بزرگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ سب حیران تھے کہ نثار احمد، جو ہمیشہ روایات کی پاسداری کرتے آئے تھے، آج اپنی بیٹی کے حق میں بول رہے تھے۔

وقار شاہ کی آنکھوں میں غصے کی چمک تھی، "چچا، کیا آپ چاہتے ہیں کہ لوگ ہمیں طعنے دیں؟ سید خاندان کی بیٹی کو ایجوکیشن یونیورسٹی میں بھیج کر آپ کون سی عزت کمائیں گے؟"

نثار احمد نے گہری سانس لی اور مضبوط لہجے میں کہا، "وقار، عزت صرف پرانی روایات نبھانے میں نہیں ہوتی، بلکہ اپنی اولاد کو خوش دیکھنے میں بھی ہوتی ہے۔ میں نے ساری زندگی خاندان کے اصولوں پر چل کر گزار دی، لیکن میں اپنی بیٹی کے خواب نہیں توڑ سکتا۔"

سمیرا بیگم نے آہ بھری، وہ جانتی تھیں کہ نثار احمد نے بہت بڑا قدم اٹھایا ہے۔ وہ بھی اندر سے نادیہ کی حمایت کرنا چاہتی تھیں، مگر سماج کے خوف سے چپ تھیں۔

بزرگوں میں سے ایک، جنید چچا، جو ہمیشہ سخت موقف رکھتے تھے، آگے بڑھے، "نثار، کیا تم بھول گئے کہ ہم سید ہیں؟ ہم اپنی بیٹیوں کو پردے میں رکھتے ہیں۔ اگر آج تم نے نادیہ کو یونیورسٹی بھیجنے دیا، تو کل دوسری لڑکیاں بھی تمہاری طرح ضد کریں گی۔ کیا تم یہ بوجھ اٹھا سکو گے؟"

نثار احمد نے مضبوط لہجے میں جواب دیا، "جنید بھائی، زمانہ بدل رہا ہے۔ اگر ہم نے اپنی بچیوں کو آگے بڑھنے کا موقع نہ دیا تو وہ ہمیشہ دوسروں کی محتاج رہیں گی۔ میں اپنی بیٹی کو محتاج نہیں دیکھنا چاہتا۔"

یہ سنتے ہی کمرے میں ہلچل مچ گئی۔ وقار شاہ کا غصہ مزید بڑھ گیا۔ "اگر ایسا ہوا تو میری شادی نادیہ سے نہیں ہو سکتی۔ میں ایسی لڑکی کو اپنی بیوی نہیں بنا سکتا جو پردے کی پابندی نہ کرے اور غیر مردوں کے ساتھ بیٹھے۔"

یہ سنتے ہی نادیہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی، "وقار بھائی، میں بھی اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنا چاہتی ہوں۔ اور اگر آپ کو ایسی لڑکی چاہیے جو آپ کے بنائے اصولوں پر چلے، تو میں وہ لڑکی نہیں ہوں۔"

وقار شاہ نے ایک طنزیہ ہنسی ہنسی، "چچی، دیکھ رہی ہیں آپ؟ یہ آپ کی تربیت کا نتیجہ ہے۔ یہ پڑھائی کے نام پر گھر سے باہر جا کر آزاد ہونا چاہتی ہے۔"

سمیرا بیگم نے بے بسی سے نثار احمد کی طرف دیکھا، مگر وہ خاموش کھڑے رہے۔

اسی لمحے باہر سے ایک نوکر نے آ کر اطلاع دی، "ماہین بی بی کی شادی ہو گئی ہے۔ ان کی سسرال سے خبر آئی ہے کہ وہ بہت پریشان ہیں۔"

نادیہ کے چہرے پر ایک دم افسردگی چھا گئی۔ ماہین اس کی سب سے قریبی دوست تھی، جس کی زبردستی شادی کر دی گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ماہین کے خواب بھی اس کی طرح تھے، مگر اس کے والدین نے زبردستی اسے بیاہ دیا تھا۔

نادیہ نے فوراً ماہین کو فون کیا۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی، "نادیہ... مجھے یہاں سے لے جاؤ... میں یہاں خوش نہیں ہوں۔ یہ لوگ بہت ظالم ہیں۔ مجھے یہاں سانس لینے کی اجازت بھی نہیں ہے۔"

نادیہ نے گھبرا کر پوچھا، "ماہین، تم ٹھیک تو ہو؟ کیا تمہارے ساتھ کچھ برا ہوا ہے؟"

ماہین کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی، "یہاں سب کچھ بدل گیا ہے، نادیہ۔ وہ مجھ پر سخت پابندیاں لگا رہے ہیں، سسرال میں ہر وقت مجھ پر نظر رکھی جا رہی ہے۔ مجھے کسی سے بات تک نہیں کرنے دیتے۔ اگر میں کوئی بات کہوں تو کہتے ہیں، 'یہی تمہاری زندگی ہے، اب اسے قبول کرو۔' میری ہر خواہش، ہر خواب ختم ہو گیا ہے۔"

نادیہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "ماہین، تم نے کچھ بتایا اپنے والدین کو؟"

ماہین نے ایک تلخ ہنسی ہنسی، "میرے والدین کہتے ہیں کہ اب تمہارا گھر یہی ہے، صبر کرو۔ وہ مجھے واپس بلانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ نادیہ، میں ٹوٹ چکی ہوں۔ میں جینا نہیں چاہتی۔"

نادیہ نے سختی سے کہا، "ماہین، تم ایسی باتیں مت کرو۔ تم اکیلی نہیں ہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں تمہیں اس صورتحال سے نکالنے کی کوشش کروں گی۔ اور میں خود کو بھی نہیں چھوڑوں گی۔ میں لڑوں گی، میں پڑھوں گی، اور میں اپنے خوابوں کو پورا کر کے دکھاؤں گی۔"

اس لمحے نثار احمد نے اپنی بیٹی کے چہرے کو دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں وہی روشنی تھی جو ایک بہادر انسان میں ہوتی ہے۔ انہوں نے ایک فیصلہ کیا، "نادیہ، تم کل یونیورسٹی میں داخلے کے کاغذات جمع کراؤ گی۔ میں خود تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

یہ سنتے ہی نادیہ نے اپنے والد کو محبت بھری نظروں سے دیکھا۔ سمیرا بیگم کی آنکھوں میں آنسو تھے، مگر یہ خوشی کے آنسو تھے۔ خاندان کے دوسرے افراد ناراض ہو کر چلے گئے، مگر نثار احمد اپنے فیصلے پر قائم رہے۔

یہ وہ لمحہ تھا جب روایات اور خوابوں کے درمیان جنگ ہوئی، اور خواب جیت گئے۔ نادیہ کو پتہ تھا کہ یہ سفر آسان نہیں ہوگا، مگر اس کے پاس اب اپنے والد کا ساتھ تھا۔ اور یہی سب سے بڑی جیت تھی۔

لاڑکانہ کی صبح نرم دھوپ اور ہلکی ہلکی ہوا کے ساتھ جاگی تھی۔ نادیہ سید کی زندگی میں یہ ایک نئی شروعات کا دن تھا۔ آج وہ یونیورسٹی کی طالبہ بن چکی تھی، ایک ایسا خواب جو کبھی صرف ایک خواہش لگتا تھا، آج حقیقت کا روپ دھار چکا تھا۔

جب وہ یونیورسٹی کے داخلی دروازے پر پہنچی، تو اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ سامنے کھڑی وسیع و عریض عمارت، اونچے درختوں سے گھری ہوئی راہداریاں، اور چہل پہل کرتی ہوئی طالبات کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ یہ سب کچھ حاصل کرنا آسان نہ تھا، مگر اس نے ہار نہیں مانی تھی۔

یونیورسٹی کی پہلی کلاس میں داخل ہوتے ہی اس نے ایک نئی دنیا کو محسوس کیا۔ احمد علی، جو اس کے لیے ایک راہنما کی حیثیت رکھتے تھے، کلاس میں لیکچر دینے کے لیے کھڑے تھے۔ انہوں نے جب نادیہ کو کلاس میں دیکھا تو ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔

"آج کا موضوع ہے: خودمختاری اور تعلیم،" احمد علی نے کہا۔ "تعلیم وہ طاقت ہے جو ہمیں زندگی کے بڑے فیصلے خود کرنے کا اختیار دیتی ہے۔"

یہ الفاظ سیدھا نادیہ کے دل میں جا لگے۔ اس نے اپنی نوٹ بک کھولی اور لکھنا شروع کر دیا۔ ہر لفظ اس کے لیے ایک روشنی کی کرن بن گیا۔ وہ اب محض ایک لڑکی نہیں تھی، بلکہ ایک خواب کی تکمیل کی راہ پر چلنے والی مسافر تھی۔

یونیورسٹی کی زندگی کا آغاز تو ہو چکا تھا، مگر گھر میں اب بھی ایک غیر یقینی سی فضا تھی۔ والدہ اب بھی ناراض تھیں، مگر والد نے آہستہ آہستہ بیٹی کے فیصلے کو قبول کرنا شروع کر دیا تھا۔

ایک دن نادیہ کے والد اپنی بیٹھک میں اخبار پڑھ رہے تھے کہ ایک رشتہ دار نے طنزیہ لہجے میں کہا، "سیدوں کی بیٹیاں کب سے یونیورسٹی جانے لگیں؟ یہ روایت تو کبھی نہیں تھی۔"

نادیہ کے والد نے اخبار تہہ کیا اور سنجیدگی سے کہا، "روایات وقت کے ساتھ بدلتی ہیں۔ میری بیٹی تعلیم حاصل کر رہی ہے، اور مجھے اس پر فخر ہے۔"

یہ الفاظ سن کر نادیہ کے چہرے پر روشنی پھیل گئی۔ وہ جانتی تھی کہ والد کے اس بیان نے بہت کچھ بدل دیا ہے۔

وقت گزرتا گیا اور نادیہ نے تعلیمی میدان میں نمایاں کامیابی حاصل کرنا شروع کر دی۔ وہ ایک محنتی اور ذہین طالبہ ثابت ہو رہی تھی۔ احمد علی ہمیشہ اس کی حوصلہ افزائی کرتے، اسے نئے مواقع کے بارے میں بتاتے اور تحقیق و مطالعے کی طرف راغب کرتے۔

"نادیہ، اگر تم واقعی کچھ بدلنا چاہتی ہو، تو تمہیں اپنے علم کو دوسروں تک بھی پہنچانا ہو گا،" ایک دن احمد علی نے کہا۔

یہ جملہ نادیہ کے ذہن میں بیٹھ گیا۔ اس نے سوچا کہ وہ صرف اپنی کامیابی پر اکتفا نہیں کرے گی، بلکہ دوسری لڑکیوں کے لیے بھی کچھ کرے گی۔

یونیورسٹی میں خوشی اور مصروفیت کے باوجود نادیہ کی دوست ماہین کی زندگی میں مشکلات بڑھتی جا رہی تھیں۔ اس کی کم عمری میں شادی ہو چکی تھی، اور وہ گھریلو زندگی کی پیچیدگیوں میں الجھ چکی تھی۔

ایک دن نادیہ کو ماہین کا فون آیا۔ دوسری طرف سے ماہین کی آواز کانپ رہی تھی۔

"نادیہ، میں بہت پریشان ہوں۔ میری سسرال والے مجھے مزید پڑھنے نہیں دے رہے، اور میرا شوہر بھی ضد کر رہا ہے کہ میں گھر پر رہوں۔"

نادیہ نے گہری سانس لی۔ "ماہین، ہم کچھ کریں گے۔ تمہیں ہار نہیں ماننی چاہیے۔ تعلیم تمہارا حق ہے۔"

اسی وقت نادیہ نے فیصلہ کیا کہ وہ ماہین جیسے دوسرے لڑکیوں کے لیے کچھ کرے گی۔ وہ اپنی کمیونٹی میں آگاہی پھیلائے گی، کم عمری کی شادیوں کے خلاف آواز اٹھائے گی، اور لڑکیوں کے تعلیمی حقوق کے لیے کام کرے گی۔

نادیہ نے ایک تنظیم بنانے کا فیصلہ کیا جو نوجوان لڑکیوں کے تعلیمی حقوق کے لیے کام کرے گی۔ احمد علی نے اس کی مکمل حمایت کی، اور یونیورسٹی کے کئی پروفیسرز اور طلبہ نے بھی اس کے ساتھ شامل ہونے کا عہد کیا۔

رفتہ رفتہ نادیہ کا خاندان بھی اس کے کام کو قبول کرنے لگا۔ ایک دن اس کی والدہ نے دھیرے سے کہا، "بیٹا، میں نہیں جانتی تھی کہ تمہارے خواب اتنے بڑے ہیں، مگر اب مجھے تم پر فخر ہے۔"

یہ سن کر نادیہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ صرف اپنی نہیں، بلکہ بہت سی لڑکیوں کی تقدیر بدلنے کے لیے ایک نئی راہ پر چل نکلی ہے